اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا

الیونیا اقبال

آزادی کی قیمت

جیسے
جیسے
اسلاف نے متاعِ زندگی نچھاور کر دی
مگر ہم نے سات کروڑ مسلمانوں کو غلامی کا طوق پہنا دیا

★

معرکہ بالاکوٹ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد آزادیٔ ہند کے لئے تیسری سب سے بڑی منظم اور مؤثر تحریک "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس خونچکاں جدوجہد کی بے مثال منصوبہ بندی کا سہرا بھی تاریخی روایات کے مطابق علمائے حق کے سر ہی تھا۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو غیر منقسم برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ آج بھی آزادی کی تڑپ رکھنے والے حریت پسند سوچتے ہیں کہ ...... اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا۔

سولھویں صدی کا حیدرآباد (سندھ) ہے۔ قدیم طرز کے مکان میں ایک شخص پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس سوئی دھاگا لئے ایک زرد رنگ کا رومال جس کی لمبائی ایک گز ہے اور عرض بھی اتنا ہی ہے، گدڑی میں سی رہا ہے۔ وضع قطع اور صورت شکل سے درویش نظر آتا ہے۔ اچانک ایک دھماکا سا ہوتا ہے، وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ چند گورے اور سکھ فوجی صحن کی دیوار پھاند کر اس کی طرف لپکے آ رہے ہیں وہ گدڑی اٹھا کر کمرے کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگنے لگتا ہے لیکن فوجی سر پر پہنچ جاتے ہیں اور اس سے گدڑی چھین لیتے ہیں۔ وہ شخص ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور صحن میں پہنچ کر دیوار پھاند لیتا ہے۔ چند فوجی اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہاتھ ملتے لوٹ آتے ہیں۔

یہ درویش آزادیٔ ہند کی انقلابی پارٹی کے سرگرم اور سرفروش رکن اور پارٹی کے قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے قابل اعتماد پیروکار شیخ عبدالرحیم تھے۔ اچاریہ کرپلانی کے حقیقی بھائی اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ہاتھ پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

پارٹی کا مرکزی دفتر پہلے دیوبند میں تھا۔ بعد میں دہلی منتقل کیا گیا۔ تحریک کا نام جس کی بنیاد پر

پارٹی تشکیل دی گئی تھی، پہلے ثمرۃ التربیۃ اور پھر جمعیت الانصار رکھا گیا تھا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ حکومت وقت کے خلاف ملک بھر میں عام بغاوت کرائی جائے اور ساتھ ہی شمال مغربی سرحد کی طرف سے قبائل اور ترکی کی فوج سے حملہ کرایا جائے اس طرح ملک کو فرنگی استبداد سے آزاد کرانا تھا منصوبے کے مطابق ترکی کی فوج کو افغانستان کے راستے حملہ آور ہونا تھا، اس لئے افغانستان کی حکومت کو بھی جس کا سربراہ حبیب اللہ خان تھا۔ ہموار کرنا تھا۔ ترکی سے یہ طے کیا جا رہا تھا کہ اس کی فوج ہندوستان کو آزاد کرا کے لوٹ جائے گی۔ اس مدد کے عوض آزاد ہندوستان اس کی اخلاقی اور مالی مدد کرتا رہے گا۔ ترکی کے حکمران غازی انور پاشا تھے۔

اس طریقۂ کار پر عمل کرنے کے لئے دس جامع منصوبے ۱۹۰۵ء میں بنائے گئے تھے۔ ان کی تکمیل ۱۹۱۴ء میں ہوتی منصوبے یہ تھے: ہندو مسلم مکمل اتحاد، علمائے فکر قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اشتراک فکر و عمل، اقوام عالم سے اخلاقی مدد کا حصول جنگی نقشوں کی تیاری۔ انقلاب کے بعد عبوری حکومت کے خاکے کی ترتیب، بغاوت کے خفیہ مرکزوں کا قیام، بیرون ملک امدادی مراکز کا تعین، ترکی کی حمایت کے لئے دوسرے ملکوں سے رابطہ، باہر سے حملے کے لئے راستوں کی نشاندہی بیک وقت بغاوت اور حملے کے لئے تاریخ کا تعین۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے معرکہ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خونچکاں اقدامات کے بعد یہ تیسری سرفروشانہ تحریک تھی جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے تاریخ کے صفحوں پر انمٹ نقوش چھوڑ گئی پہلی تحریک مسلمانوں کے جاہلانہ تغافل سے ناکام ہوئی لیکن دوسری اور تیسری تحریکیں ان کے مجرمانہ عدم تعاون اور کھلے بندوں غداری سے ملیامیٹ ہوئیں۔ یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ تینوں تحریکوں میں بنیادی اور مرکزی کردار علمائے حق نے ادا کئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں عام مسلمانوں کا حصہ زیادہ ہے۔ لیکن دوسری دونوں تحریکوں کا سہرا تمام تر علمائے حق کے سر ہے۔

تحریک ریشمی رومال کی کامیابی اپنوں کی متوقع غداری اور انگریزوں کے طے شدہ حفظ ماتقدم کے باوجود یقینی تھی۔ وجہ یہ کہ بیرونی امداد کے امکانات دسترس میں تھے۔ ۱۸۵۸ء میں سامراجیت کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے براہ راست حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں منتقلی کے بعد خارجی انگریز دشمنی کے دور کا آغاز ہو چلا تھا۔ بعید نہ تھا کہ یہ خارجی نیک فال داخلی جدوجہد کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتا۔ برطانیہ کی توسیع پسندی کے پیش نظر ۱۸۶۵ء میں وار آف بھوٹان پر قبضہ کیا گیا اور برما کے شمالی حصے کو فتح کر کے سلطنت میں شامل کیا گیا ۱۸۸۶ء میں تبت اور چین پر حملہ کیا گیا اور سرحد کے مجاہدین

پر فوج کشی ہوئی ۱۸۷۸ء میں کابل پر حملہ کیا گیا۔ ۱۸۹۰ء میں حکومت منی پور پر تسلط کیا گیا۔ ۱۸۹۵ء میں چترال پر قبضہ ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں تیراہ پر حملہ کیا گیا۔ ۱۸۹۷ء میں دوبارہ سرحدی مجاہدین کے خلاف چھ مہمیں بھیجی گئیں۔

بیرونی امداد کے سلسلے میں حکومت ترکی سے توقع کسی خوش فہمی اور جذباتیت کی بنا پر نہیں تھی اس کے پس منظر میں ٹھوس حقائق اور دلائل تھے۔ ترکی، برطانیہ کا زخم خوردہ تھا۔ اگر مذہب اور حریت پسندی ہندوستان اور ترکی میں قدر مشترک نہ ہوتی تب بھی سیاسی طور پر ترکی کی طرف سے مدد لازمی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے سلطان عبدالمجید خاں کو محمد علی پاشا کی بغاوت کے خلاف مدد دی اور اس کے عوض میں پہلے عدن کی بندرگاہ اور پھر سارے عدن پر قبضہ کر لیا اس قبضے کی وجہ سے آنے والے برسوں میں جو نتائج نکلے وہ تصور میں لائے جا سکتے ہیں (اس مد کا سارا خرچ (بیس لاکھ پونڈ) ہندوستان کے ذمے قرض کے طور پر ڈالا گیا) ۱۸۷۸ء میں باب عالی سلطان عبدالمجید خاں سے خفیہ معاہدہ کر کے جزیرۂ قبرص قبضے میں کیا گیا۔ اس کے بھی دور رس نتائج نکلے۔ اسی سال برلن میں یورپی ملکوں کی کانفرنس ہوئی جس میں ترکی کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لئے گئے۔ برطانیہ بھی حصے دار بنا۔ ۱۸۷۸ء میں رومانیہ، بلغاریہ، کریٹ، سرویا، مولڈویا، ولاچیا، البوسنیا، مونٹی نیگرو اور ارضی گونیا کو ترکی کے قبضے سے نکلوا دیا۔ ۱۹۰۴ء میں برطانیہ کی شہ پر فرانس نے مراکش پر قبضہ کر لیا۔

۱۹۰۸ء میں ترکی میں فوجی انقلاب رونما ہوا۔ یہ انقلاب فوجیوں کی تنظیم، اتحاد المسلمین نے برپا کیا تھا جس کے قائد غازی انور پاشا تھے۔ بعد میں یہی حکومت کے سربراہ بنے ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں ہندوستان کی حریت پسند تحریکوں نے ترکی کی جو اخلاقی اور مالی مدد کی تھی، اسے انور پاشا بھولے نہیں تھے۔ اسی لئے تحریک ریشمی رومال کو ترکی کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی مدد غیر متوقع نہیں تھی۔

تحریک کے پہلے دو منصوبوں کے لئے فضا پہلے ہی سازگار تھی۔ ہندو اور مسلمان حریت پسندوں میں ذہنی ہم آہنگی اور اشتراک عمل کا جذبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے وقت ہی سے پیدا ہو چکا تھا۔ اور اس کا مظاہرہ بار بار خصوصاً ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد ہو چکا تھا ——————

—————— تحریک کے عملی قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اور راجہ مہندر پرتاپ تھے۔ لیکن اس کے قیام اور ساری منصوبہ بندی میں جن شخصیتوں کا ہاتھ تھا ان میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا عبید اللہ سندھی، مسٹر گاندھی، ڈاکٹر انصاری، موتی لال نہرو، لاجپت رائے اور راجندر پرشاد شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب نے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک کھیپ مہیا کر دی تھی جن کے دلوں میں حریت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں اور ذہن جدید

طبقاتی تقاضوں سے روشن تھے۔ ان نوجوانوں میں جن لوگوں کو اہم فرائض سونپے گئے، اُن میں پروفیسر برکت اللہ ایم اے (انگریزی) تھے جنہیں ترکی، جرمنی اور جاپانی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ چوہدری رحمت علی گریجویٹ، لالہ ہردیال ایم اے، کامریڈ سنتوراسنگھ گریجویٹ، مولوی محمد علی قصوری گریجویٹ، میاں عبدالباری ایم اے، رام چندر گریجویٹ، بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے اور چینی زبان میں ماہر بنگال کے شوکت علی گریجویٹ وغیرہ شامل تھے۔

تیسرے منصوبے کے تحت چین، جاپان، فرانس، برما اور امریکہ میں کام شروع کیا گیا۔ اس کے لئے مشنری طریقۂ کار اپنایا گیا۔ پہلا مشن دیوبند سے فارغ التحصیل مولانا مقبول الرحمن سرحدی اور شوکت علی کی سرکردگی میں چین بھیجا گیا جس میں چھ اور افراد بھی شامل تھے۔ مشن میں ہندو ارکان بھی تھے۔ لیکن چین میں ایک مرکزی سیرت کمیٹی قائم کرکے ملک بھر میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ اردو اور چینی زبانوں میں ایک رسالہ "الیقین" جاری کیا گیا۔ ان کاموں میں مشن کو بڑی کامیابی ہوئی چینی مسلمانوں کی خاصی تعداد ہندوستان کی صورت حال سے متاثر ہوئی

اور انگریز سامراجیت سے چھٹکارا دلانے میں ہر ممکن اخلاقی مدد کا وعدہ کیا۔ ہر چند کہ چینی عوام خود ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے، حکومت کی سطح پر کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا کیونکہ ملک پر سامراجیت کے دوسرے روپ شہنشاہیت اور جاگیرداری کا تسلط تھا۔ مشن نے اپنے اخراجات اس طرح پورے کئے کہ ایک شفاخانہ کھول لیا۔ مولانا مقبول الرحمن طبابت اور شوکت علی ڈاکٹری کرتے تھے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۹ء تک چین میں کام کرنے کے بعد دونوں صاحبان کو برما جانے کا حکم ملا۔ مشن کے تین ارکین کو چین میں کام کی نگرانی کے لئے چھوڑا گیا۔ شفاخانے کو فروخت کرکے ان کے گزارے کے لئے رقم دی گئی اور سفر خرچ بھی نکالا گیا۔ ایک آدمی کو واپس ہندوستان بھیجا گیا اور چار آدمی جن میں دو ہندو تھے، برما پہنچے۔ وہاں کپڑے کا کاروبار شروع کیا گیا جس میں کافی منافع ہوا۔ برما میں مذہبی طریقۂ کار اپنانے سے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، لہذا انسانی رشتے کو مقصد کا حصول بنایا گیا اور انسانی برادری کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نصب العین انسانی فلاح و بہبود بتایا گیا۔ مولانا مقبول الرحمن نے عربی زبان میں ایک کتاب "الانسان" لکھی اور اس کا انگریزی اور برمی زبانوں میں شوکت علی نے ترجمہ کیا۔ مشن ۱۹۱۶ء تک بڑی کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا۔ اس نے ہزاروں افراد کو ہندوستان کے انسانی مسائل سمجھنے پر آمادہ کیا۔ ہندوستانیوں کی اخلاقی مدد کے لئے ایک مخلص حلقہ پیدا ہو گیا۔ شومئی قسمت سے ۱۹۱۶ء میں تحریک ناکام ہو گئی۔ شوکت علی اور دونوں ہندو ارکین ہندوستان چلے

گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن رنگون جا پہنچے (شوکت علی ہندوستان سے فرار ہو کر برلن چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن ۱۹۲۳ء میں وطن لوٹے)

دوسرا مشن جاپان بھیجا گیا، اس میں پانچ آدمی تھے اور قائد پروفیسر برکت اللہ تھے۔ انگریزی ترکی، جرمنی زبانوں کے علاوہ جاپانی زبان میں بھی مہارت رکھنے کی وجہ سے انہیں ٹوکیو کے ایک کالج میں پروفیسری مل گئی۔ مشن نے اسلامک فریٹرنٹی کے نام سے ایک انجمن بنائی اور اسی نام سے انگریزی اور جاپانی زبانوں میں رسالہ نکالا جس کے مدیر پروفیسر صاحب تھے۔ ترکی کی طرح جاپان سے بھی بھرپور مدد کی توقع تھی کیونکہ جاپان، برطانیہ کے سخت خلاف تھا۔ اسی مخالفت کی بنا پر اس نے دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ پر حملہ کیا تھا۔ مشن کو یہاں کامیابی سے ہمکنار ہوتا دیکھ کر ۱۹۱۰ء میں پروفیسر برکت اللہ کو چوہدری رحمت علی کی مدد کے لئے فرانس جانے کا حکم ملا۔ یہاں چوہدری صاحب نے ملازمت چھوڑ دی، اخبار بند کر دیا اور ایک ساتھی کو لے کر فرانس کی طرف روانہ ہوئے۔

فرانس کے مشن میں چوہدری رحمت علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان میں ایک گریجویٹ رام چندر نہایت قابل نوجوان تھا۔ پروفیسر برکت اللہ نے انگریزی زبان میں ایک اخبار انقلاب جاری کیا اور تندہی سے کام کرنے لگے۔ یہ اخبار مشن کی تشکیل کردہ غدر پارٹی کا ترجمان تھا۔ رولٹ رپورٹ میں اخبار کا نام بھی غدر لکھا گیا ہے، جو غلط ہے۔ فرانس میں چھ سال تک کام ہوتا رہا۔ عوامی سطح پر غدر پارٹی کی بہت حوصلہ افزائی کی گئی اخلاقی مدد کے بھی روشن امکانات تھے لیکن حکومت کی طرف سے کوئی امید نہیں تھی۔ جو کچھ حاصل ہوا اسی پر اکتفا کر کے پروفیسر برکت اللہ اور چوہدری رحمت علی کو امریکہ جانے کا حکم ملا۔

امریکہ میں لالہ ہردیال کی سربراہی میں چھ آدمیوں پر مشتمل مشن کام کر رہا تھا۔ پروفیسر صاحب اور چوہدری صاحب کی شمولیت سے تعداد آٹھ ہو گئی۔ یہاں بھی غدر پارٹی کام کر رہی تھی۔ ان دونوں حضرات کے آنے کے بعد پروفیسر صاحب کی ادارت میں غدر نام سے ایک اخبار نکالا۔ دراصل واشنگٹن کے اسی اخبار کا مغالطہ رولٹ کمیٹی کو ہوا تھا۔ چوہدری رحمت علی کی سکونت تو پیرس میں تھی لیکن وہ واشنگٹن آتے جاتے رہتے تھے اور وہاں کچھ زمین بھی خرید لی تھی۔ انہوں نے اسے بیچ کر ایک ہوٹل کھول لیا۔ اس کے ایک کمرے میں پارٹی کا اور دوسرے کمرے میں اخبار کا دفتر قائم کیا گیا۔ ہوٹل کی آمدنی سے اخراجات پورے ہوتے رہے، اور یہ پہلے ہردیال اور پھر چوہدری صاحب کی نگرانی میں چلتا رہا۔ اس کے علاوہ پارٹی والوں نے رنگوں کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ اس سے آمدنی بھی تھی اور دہلی کے مرکز سے

رابطہ بھی قائم تھا۔ دہلی کے چار مسلمان اور تین ہندو، پشاور کے دو مسلمان اور ایک ہندو، لاہور کے دو مسلمان اور پانچ ہندو، بمبئی کا ایک مسلمان اور چار ہندو، کلکتہ کے چار ہندو ایک مسلمان، ڈھاکہ کے دو ہندو ایک مسلمان اور کراچی کا ایک ہندو ان لوگوں سے مال منگاتے تھے۔ اور کاروبار کی آڑ میں مرکز کو رپورٹیں بھیجی اور ہدایات حاصل کی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں تحریک کے ناکام ہونے کی خبر ملی تو ہوٹل فروخت کر دیا گیا اور اخبار بھی بند کر دیا گیا۔ مشن کے ارکین پیرس چلے گئے۔ وہاں سے جنیوا اور برلن ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اور وطن آ گئے۔

انقلابیوں کا چوتھا منصوبہ جنگی نقشوں کی تیاری تھا۔ اس منصوبے کو تین شکلیں دی گئیں پہلی شکل تھی بیرونی حملے کے لئے راستوں اور محاذوں کی تفصیلی نشاندہی کرنا۔ حملہ آور فوج کے لئے رسد رسانی اور اس کے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطے اور انقلابی رضاکاروں سے رابطے کے لئے پیغام رسانی کا انتظام کرنا اور حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کے لئے سہولت فراہم کرنا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ سی آئی ڈی کے آدمیوں سے تعاون حاصل کیا جائے اور اس محکمے میں اپنے آدمی داخل کئے جائیں۔ تاکہ حکومت کی پالیسیوں اور ارادوں کی خبر ملتی رہے۔ تیسری شکل تھی فوج میں اپنے ہم خیال بنانا اور انقلابی کارکنوں کو فوج میں بھرتی کرانا تاکہ جب حملہ ہو تو دشمن کو سبوتاژ کیا جا سکے۔

پہلا کام مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو سونپا گیا اور بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے کو ان کا مددگار بنایا گیا۔ مولانا نے شمال مغربی سرحد کے کئی دورے کئے، جغرافیائی پوزیشن کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ فنونِ حرب سے آگاہی کے لئے انگریزی، جرمنی، ترکی، فرانسیسی اور عربی زبانوں کی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ کیا، قدیم اور جدید طریقوں کو پرکھا، اور متواتر سات سال تک کام کرنے کے بعد جنگ اور اس کے محاذوں کا ایک فقید المثال نقشہ تیار کیا۔ ان کے مطالعے سے بعد میں ترکی، جرمنی اور افغان فوجی افسروں نے بھی استفادہ کیا۔ مولانا سے تربیت یافتہ نوجوانوں نے والی افغانستان امیر امان اللہ خاں اور انگریزوں کے مابین جنگ میں افغان فوج کی ناقابل فراموش رہنمائی کی۔

دوسرے کام کی سربراہی ڈاکٹر انصاری نے انجام دی۔ بہت سے ہندو اور مسلم نوجوان سی آئی ڈی میں گھس گئے اور حکومت کے راز قائدین تحریک تک پہنچاتے رہے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد کئی نوجوان پکڑے گئے۔ اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔ تیسری شکل کے تحت منتخب نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا گیا۔ انہوں نے حب الوطن فوجیوں کو اپنا ہم خیال بنایا۔ بعض پکڑے بھی گئے اور کچھ لوگ تحریک کی ناکامی کے بعد بھی رہے اور پہلی جنگ عظیم کے بعد فوج سے نکل گئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو

مستقل طور پر فوج میں رہے اور دوسری جنگ عظیم میں دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملا کر آزاد ہند فوج کے روپ میں سامنے آگئے۔

پانچویں منصوبے کے تحت انقلاب کے بعد قائم ہونے والی عبوری حکومت کا خاکہ یہ بنایا گیا کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیارات کی کونسل ہوگی۔ مسلمان رکن کے لئے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا نام تھا۔ ہندو رکن کا نام تحقیق طلب ہے۔ (سی آئی ڈی کی رپورٹ میں گاندھی جی بتایا گیا ہے۔ جو غالباً صحیح نہیں ہے۔) کونسل کے تحت صدر، وزیر اعظم، وزیر مملکت اور ان کے ماتحت کابینہ ہوگی۔ ان عہدوں کے لئے مجوزہ افراد علی الترتیب راجہ مہندر پرتاپ، پروفیسر برکت اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے۔ انہی لوگوں کو کابینہ بنانا تھی۔ فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضرت شیخ الہندؒ کا نام تھا۔ جرنیلوں کی تعداد بارہ رکھی گئی تھی۔

چھٹا منصوبہ بغاوت کے خفیہ مراکز کے قیام کا تھا۔ ہیڈ کوارٹر دہلی میں بنایا گیا۔ اس میں شیخ الہندؒ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبید اللہ سندھی، ڈاکٹر انصاری، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، لالہ جپت رائے اور بابو راجندر پرشاد وغیرہم صف اول کے لوگ تھے۔ ہیڈ کوارٹر کے تحت آٹھ شاخیں پانی پت (یوپی کے اضلاع) لاہور (پنجاب) رانڈیر (بمبئی گجرات کاٹھیاواڑ مہاراشٹر) کراچی (قلات لاس بیلہ وغیرہ) اتمان زئی (شمالی سرحد) دین پور (بہاولپور) اور ہنگٹ زئی (آزاد قبائل) امروٹ (سندھ میں) کام کرتی تھیں۔ ان شاخوں کے امیر علی الترتیب مولانا احمد اللہ، مولانا محمد احمد، مولانا محمد ابراہیم، مولانا محمد صادق، خان عبد الغفار خان، مولانا غلام محمد، مولانا فضل واحد اور مولانا تاج محمد تھے۔ مرکز میں ہندو ارکین کی موجودگی کے باوجود کسی شاخ کا سربراہ ہندو نہیں تھا ان میں سے صرف مولانا احمد اللہ اور مولانا محمد احمد نے گرفتار ہونے پر انگریزوں سے معافی مانگ لی تھی۔ بعض ذرائع کے مطابق شمال مغربی سرحد اور بنگال میں بھی شاخیں تھیں۔ بنگال میں مولانا ریاض احمد اور شمال مغربی سرحد میں تین علماء کی مشترکہ کمان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چند سال بعد جب آزاد قبائل اور انگریزوں کی خونریز جھڑپیں ہوئیں اور انگریز فوج کو پے درپے ہزیمت اٹھانی پڑی، تو یہ اسی کمان کا کارنامہ تھا۔

ساتویں منصوبے یعنی بیرون ملک امدادی مراکز کے قیام کی تکمیل میں ہیڈ کوارٹر کابل میں تھا۔ یہاں سے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ تھے بعد میں مولانا سندھی ان سے جا ملے اور دونوں نے مل کر کام کیا۔ اس ہیڈ کوارٹر کی شاخیں مدینہ منورہ، برلن، استنبول، انقرہ اور قسطنطنیہ میں تھیں۔ برلن میں لالہ ہردیال نے نمایاں کام کیا۔ ان کی کوشش سے جرمنی اور ترکی کا پیکٹ ہوا اور جرمنی ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے آمادہ ہوگیا کابل کے ہیڈ کوارٹر نے فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔ امیر حبیب اللہ اور اس کے لڑکے عنایت اللہ خان کے

دو غلے پن (جو بعد میں غداری پر منتج ہوا) کے باوجود تحریک کے آدمیوں کو افغانستان کی سیاست میں اتنا دخل عمل حاصل ہو گیا کہ تحریک کی ناکامی کے بعد قائدین کے دوست اور ہمدرد افسروں نے امیر حبیب اللہ خاں کو قتل کروا کر اس کے بیٹے امان اللہ کو تخت پر بٹھایا جنہوں نے شروع سے تحریک کی اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی تحریک کے نظر بند قائدین کو رہا کر کے اپنے مشیر بنالئے۔ قائدین تحریک ہی کے مشورے سے امان اللہ خاں نے انگریزوں سے دو دو ہاتھ کئے اور ۲۳ ر اگست ۱۹۱۹ء کو افغانستان کو مکمل آزاد کرالیا۔ مولانا سندھیؒ افغانستان میں چوری چھپے داخل ہوئے تھے تو فوج کے سپہ سالار نادر خاں نے قندھار میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔ جب قائدین تحریک کے ایما پر انگریزوں سے لڑنے کے بارے میں رائے معلوم کرنے کے لئے جرگہ بلایا گیا تو حبیب اللہ خاں اور عنایت اللہ خاں کے سوا سب لوگوں نے لڑائی کے حق میں رائے دی۔ ان میں امان اللہ خاں اور ان کا بھائی نصر اللہ خاں پیش پیش تھے۔

آٹھواں منصوبہ یہ تھا کہ برطانیہ اور ترکی کی آویزش میں (وسیع تر مقصد یہ تھا کہ ترکی کے ہندوستان پر حملے کے لئے) بعض ملکوں مثلاً روس، جرمنی، فرانس اور امریکہ کو ترکی کی حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ اس ضمن میں کراچی میں اکابرین تحریک کی ایک مجلس مشاورت ہوئی۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ امریکہ ترکی کا ساتھ دے گا کیونکہ وہ خود بھی برطانیہ کا غلام رہ چکا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ امریکہ غیر جانبدار رہے گا لیکن شیخ الہندؒ کا موقف تھا کہ امریکہ برطانیہ کی کھلے بندوں مدد کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ تاہم امریکہ اور فرانس کے انصاف پسند لوگوں نے برطانیہ کے خلاف احتجاج کیا اور تحریک کا مشن کسی حد تک کامیاب رہا۔

روس میں بھی تحریک کا مشن حکومت کی سطح پر ناکام رہا۔ زار نے مشن کے قائدین ڈاکٹر مرزا احمد علی اور متھرا سنگھ کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن تاشقند کے گورنر نے جو تحریک کا ہمدرد بن گیا تھا، انہیں گرفتاری سے بچا لیا۔ اس مشن کا تذکرہ روس کے انقلابیوں نے اپنے ایک پمفلٹ میں بھی کیا تھا اور اسے مؤثر قرار دیا تھا۔ عوامی سطح پر مشن اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور روس برطانیہ دوستی خطرے میں پڑ گئی جس کے لئے [illegible] جارج خود روس پہنچا۔ البتہ ایک دوسرا مشن جو روس کے راستے جاپان جا رہا تھا، زار کے ہتھے چڑھ گیا۔ بدقسمتی سے متھرا سنگھ جو اس مشن میں بھی شامل تھے، اپنے ساتھی عبدالقادر سمیت انگریزوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ انگریزوں نے متھرا سنگھ کو پھانسی دے دی اور عبدالقادر کو لمبی قید کی سزا دی۔

بیرون ملک تحریک کو صرف جرمنی میں کامیابی حاصل ہوئی۔ راجہ مہندر پرتاپ نے وہاں تین سال

رہ کر یہ کارنامہ انجام دیا۔ پروفیسر برکت اللہ اور لالہ ہردیال نے بھی ان کی اعانت کی۔ اس سلسلے میں جرمنی کے کیپٹن ہنٹس نے بڑی مدد کی۔ وہ محاذ کے معائنے کے لئے کابل بھی گیا۔ یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور جرمنی ترکی کی مدد کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مطمئن ہو کر راجہ مہندر پرتاپ کابل چلے گئے جہاں مولانا سندھیؒ بھی پہنچ گئے۔

نویں منصوبے میں حملے کے لئے راستوں کا تعین کرنا تھا۔ ایران برطانیہ کا حلیف اور ترکی کا دشمن تھا اس لئے وہ راستہ ترک کرنا پڑا۔ دوسرا راستہ افغانستان کے ذریعہ تھا۔ امان اللہ خان اور سول اور فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کے اٹل فیصلے سے ڈر کر حبیب اللہ خان راستہ دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن انگریز دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے تجویز پیش کی کہ ترکی فوج بعض مخصوص دروں سے گزرے۔ ہم انگریزوں سے کہہ دیں گے کہ وہاں کے قبائلی باغی ہو گئے ہیں اور ہم مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری فوج جنگ میں حصہ نہ لے۔ البتہ رعایا رضاکارانہ طور پر حصہ لے سکتی ہے۔ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین میں جس کا پلّہ بھاری دیکھوں گا اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔

امان اللہ خان اور نصر اللہ خان نے قائدین تحریک کو سمجھایا کہ اسی پر اکتفا کریں۔ جب ترکی کی فوج ملک میں داخل ہو جائے گی۔ تو ہم اپنے باپ کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیں گے ورنہ اُسے راستے سے ہٹا دیں گے۔ حملے کے لئے چار محاذ بنائے گئے۔ ہر محاذ پر ایک انقلابی کو نگران مقرر کیا گیا۔ ۱۔ مولانا محمد صادق کی نگرانی میں قلات اور مکران کے قبائل کا ترک، فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ۔ ۲۔ حافظ تاج محمود سندھی کی نگرانی میں ترک فوج کی سربراہی میں غزنی اور قندھار کے قبائل کا کوئٹہ ۳۔ درہ خیبر کے راستے پشاور پر مہمند اور مسعود قبائل کا ترک۔ فوج کی قیادت میں حملہ۔ نگران حاجی ترنگ زئی تھے۔ ۴۔ اوگی کے محاذ پر ترکی کی فوج کا کوہستانی قبائل کو لے کر حملہ، نگرانی مولانا محمد اسحاق کی تھی۔

دسویں منصوبے کا مقصد حملے اور بغاوت کی ایک تاریخ مقرر کرنا تھا۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۴ء تک نو منصوبوں کو کامیابی سے عملی جامہ پہنایا گیا اور دسویں پر عمل باقی تھا کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ یہ انقلابیوں کے لئے سنہری موقع تھا۔ فوراً دیوبند میں مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بیرونی حملہ اور اندرونی بغاوت ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو ہو۔ مجلس شوریٰ نے اس کی اطلاع تمام شاخوں کو دے دی اور کہا کہ بغاوت کے لئے تیار رہیں لیکن حملے کی تاریخ کے حتمی فیصلے کے لئے دوسری اطلاع کا انتظار کریں۔ شیخ الہندؒ کو ایک وثیقہ لکھ کر دیا گیا جس پر مجلس شوریٰ کے سارے اراکین نے دستخط کئے۔ طے کیا گیا کہ شیخ الہندؒ غازی انور پاشا سے بالمشافہ مل کر مجوزہ تاریخ کی منظوری لیں اور تحریک اور حکومت کے مابین

نیز حکومت ترکی اور حکومت افغانستان کے درمیان تحریری معاہدہ کرائیں۔ اس دوسرے معاہدے کے سلسلے میں انہیں انور پاشا کی تحریر دے کر افغانستان جانا تھا۔ اور اس پر حبیب اللہ خاں سے دستخط لے کر واپس انور پاشا کو پہنچانا تھا۔

شیخ الہندؒ نے اپنی جائداد شرعی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم کر دی اور حج کا ارادہ ظاہر کر کے روانہ ہو گئے۔ حکومت نے انہیں دہلی میں گرفتار کرنے کا ارادہ کیا ——————————

—————— لیکن ان کے معتقدین کا ہجوم دیکھ کر بمبئی میں گرفتار کرنے کی ٹھانی۔ ڈاکٹر انصاری نے خفیہ پولیس میں اپنے آدمیوں کی مدد سے اس تار کو ہوم سیکرٹری کے دفتر میں رکوا دیا جو اس مقصد سے گورنر جنرل کی طرف سے بمبئی کے گورنر کو بھیجا جا رہا تھا۔ یہ تار اس وقت ملا جب آپ جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ چنانچہ عدن کے گورنر کو روانہ کر دیا گیا لیکن وہاں بھی انقلابیوں نے بروقت پہنچنے نہ دیا۔ اور آپ بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس وقت حجاز ترکی کے زیرِ حکومت تھا۔ وہاں کے گورنر غالب پاشا جو انور پاشا کی جنگی کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے، انقلابی تحریک کے ہمنوا تھے۔ شیخ الہندؒ نے ان سے دو تحریریں لیں ایک میں جہاد کی ترغیب تھی۔ اسے چھپوا کر ہندوستان اور افغانستان میں تقسیم کرانا تھا۔ دوسری تحریر حکومت افغانستان کے نام تھی کہ شیخ الہندؒ جو کچھ بھی کہیں گے اسے ہماری تائید حاصل ہے۔ انگریزوں نے اس پہلی تحریر کو غالب نامہ کہا اور اسی کی بنا پر بعد میں غالب پاشا کو گرفتار کر کے جنگی قیدی رکھا۔ انہوں نے بھی اپنی اسی تحریر کا اقرار کیا۔ دوسری کا نام تک نہ لیا۔

شیخ الہندؒ نے غالب نامہ مولانا محمد میاں کے حوالے کیا کہ اسے ہندوستان اور افغانستان لے جائیں۔ وہ ہندوستان پہنچے تو سی آئی ڈی پیچھے لگ گئی۔ چنانچہ افغانستان چلے گئے اور اس کی اشاعت کی۔ اسی اثنا میں ریشمی رومال " پکڑا گیا اور " غالب نامہ " بیکار ہو کر رہ گیا۔ غالب پاشا کی دوسری تحریر بھی رائیگاں گئی، وہ ریشمی رومال کے پکڑے جانے کے بعد افغانستان پہنچی، البتہ اس سے افسروں اور قبائلی سرداروں میں نیا عزم پیدا ہوا اور امان اللہ خاں انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔

شیخ الہندؒ اور انور پاشا کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جمال پاشا ان کے ساتھ تھے۔ انور پاشا نے پہلے ان سے تحریر کردہ دونوں معاہدے لے لئے اور واپس چلے گئے۔ ایک ماہ بعد یہ معاہدے شیخ الہندؒ کو مدینہ منورہ کے گورنر نے بلا کر دئے۔ ان پر انور پاشا کے دستخط ثبت تھے اور حملے اور بغاوت کی منظوری بھی تھی۔ دونوں معاہدوں کا مجموعی نام انور نامہ رکھا گیا۔ شیخ الہندؒ نے تحریک اور حکومت ترکی کے معاہدے کو اپنے پاس رکھ لیا اور افغانستان ترکی معاہدہ مولانا ہادی حسن کو دے کر انہیں بھیج دیا

کہ اسے افغانستان پہنچا دیا جائے۔

اس دستاویز کو بھجوانے میں شیخ الہندؒ نے غیر معمولی حسن تدبیر سے کام لیا۔ خاص طور سے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا۔ اس کے تختوں کے درمیان اُسے اس طرح چھپایا کہ نظر نہ آتا تھا۔ ساتھ ہی بمبئی کے ایک رکن کو پیغام بھجوایا کہ وہ عرشہ جہاز پر ہی مولانا ہادی حسن سے صندوق لے لیں اور اُسے فلاں پتے پر پارسل کر دیں۔ جوں ہی جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا، وہ رکن عرشہ جہاز پر گئے اور اسے قلیوں سے اٹھوا کر باہر لے گئے۔ اسی وقت اُسے مظفر نگر میں حاجی محمد نبی کے پتے پر پارسل کروا دیا۔ سی آئی ڈی نے مولانا ہادی حسن کی تلاشی لی اور انہیں مشتبہ قرار دے کر نینی تال بھجوا دیا جہاں انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔

حاجی محمد نبی کو شیخ الہندؒ نے ساری بات کہلوا بھیجی تھی۔ انہوں نے معاہدے کو اپنے پاس رکھا۔ کچھ عرصے بعد مولانا ہادی حسن رہا ہو کر آئے۔ انہوں نے حلیہ بدل کر اپنا نام ظفر احمد رکھا اور معاہدے کو افغانستان پہنچا دیا۔ حبیب اللہ خاں نے اپنے دونوں بیٹوں امان اللہ خان اور نصر اللہ خاں اور سول فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کو آتش زیر پا دیکھا تو طوعاً و کرہاً اس کی منظوری دے دی۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور نصر اللہ خاں نے ایک ماہر کاریگر سے معاہدے کی ساری عبارت جو عربی زبان میں تھی ایک ریشمی رومال پر کڑھوالی۔ اس میں حبیب اللہ خاں اور اس کے تینوں بیٹوں کے دستخط بھی آگئے۔ رومال کا رنگ زرد تھا اس کی لمبائی چوڑائی ایک مربع گز تھی اس پر زرد رنگ سے چاروں کے دستخط دوبارہ کروائے گئے۔ اس کے بعد رومال پشاور بھجوایا گیا۔ یہ فرض شیخ عبدالحق نے انجام دیا جو بنارس کے نومسلم گریجویٹ تھے۔ اور افغانستان، ہندوستان کے درمیان کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اسی تجارت کی آڑ میں پیغام رسانی کرتے تھے۔ انہوں نے اسی قسم کے پانچ رومال لئے اور ریشمی رومال کو ان میں ملا دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ رومال حیدرآباد میں شیخ عبدالرحیم کو پہنچایا جائے گا جو اسے لے کر حج کو جائیں گے اور شیخ الہندؒ کے حوالے کریں گے۔ موصوف اسے انور پاشا کو لے جا کر دیں گے، اور پروگرام کے مطابق ترکی، افغانستان کے راستے ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔

شیخ عبدالحق نے یہ امانت پشاور میں حق نواز خاں کو رات نو بجے پہنچائی۔ انہوں نے اسے صبح چار بجے ایک خاص آدمی کے ہاتھ بہاولپور کے مقام دین پور میں سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کو بھجوا دیا۔ نماز صبح سے پہلے فوج نے حق نواز خاں کے گھر پر چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی رہائی ایک ماہ بعد ہوئی۔ خواجہ غلام محمد کو رومال اگلے دن صبح دس بجے ملا۔ انہوں نے اسی وقت اسے ایک آدمی کے

بالفعل حیدر آباد چلا گیا۔ ان کے گھر پر بھی فوج نے شام کے چار بجے چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ چار ماہ تک قید رہے۔

ریشمی رومال دوسرے دن دوپہر کو حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو ملا۔ اور عشاء کے وقت جب وہ اسے گدڑی میں سی رہے تھے، فوج کے ہتھے چڑھ گیا۔

اس دستاویز کے ہاتھ آجانے سے انگریزوں کو مجاہدین اور حکومت ترکی کے تفصیلی عزائم کا ثبوت مل گیا۔ انہوں نے داخلی طور پر یہ فوری قدم اٹھایا کہ ہر اس مقام پر فوج بھیج دی جہاں بغاوت کا خطرہ تھا۔ اور شمال مغربی سرحد پر فوج دوگنی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں انقلابیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی جس شخص پر بھی ذرا سا شبہ گزرا، اُسے گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ دو چار کے سوا سب ہی ثابت قدم رہے۔ تاہم تحریک دفن ہو گئی۔

خارجی طور پر سب سے پہلے ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ترکی کی ہر سرحد پر محاذ کھول دیئے۔ ایران میں فوج داخل کر کے ترکی اور افغانستان کے درمیان حد بندی کر دی۔ سب سے بڑا انتقام یہ لیا کہ شریف مکہ کو آلۂ کار بنا کر اُس سے ترکی کے خلاف بغاوت کرا دی۔ عرب قومیت کا پُر فریب اور تباہ کن نعرہ یہیں سے بلند ہوا اس کے علاوہ عرب اور ہندوستان کے زر خرید مولویوں سے ترکوں کے خلاف فتوے دلوائے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی اور انگریزوں کو موقع مل گیا تھا کہ افغانستان کو دبائیں لیکن تحریک کے جو کارکن وہاں گرفتاری سے بچ رہے تھے، انہوں نے قبائلیوں کی بڑی راہنمائی کی۔ حاجی ترنگ زئی نے قبائلیوں کو جمع کر کے تین سال تک انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ قلات [illegible] اور [illegible] کے قبائل نے دو سال تک مقابلہ کیا۔ امان اللہ خان نے کوہاٹ تک قبضہ کر لیا تھا لیکن انگریزوں سے صلح ہو گئی اور افغانستان کی مکمل آزادی اور خود مختاری تسلیم کر لی گئی۔

شیخ الہندؒ کو مکہ معظمہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اُن پر مصر کی فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، اور پھر جنگی قیدی بنا کر مالٹا بھیج دیا گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو ہندوستان آئے۔ کچھ عرصے خلافت تحریک میں کام کیا اور رحلت فرمائی۔۔۔۔۔

اپنی تجارت کے فروغ کیلئے الحق میں اشتہار دیں